میاں بیوی کے حقوق

ریفرنس نمبر:Pin 5797　بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ　تاریخ:16-09-2018

میاں بیوی کے حقوق

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارے میں کہ

(1) بیوی کے شوہر پر کیا کیا حقوق ہیں اور کیا شوہر کا بیوی کو ہر بات بتانا ضروری ہے ؟ مثلاً کہاں گئے تھے ؟ کیوں گئے تھے ؟ وغیرہ وغیرہ۔

(2) کیا شادی کے بعد دیگر رشتہ داروں کے حقوق ختم یا کم ہو جاتے ہیں کہ اب بیوی آگئی ہے، سب حقوق اِسی کے ہوں گے ؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

(1) انسان کے قریبی ترین تعلقات میں سے میاں بیوی کا تعلق ہے، حتی کہ ازدواجی تعلق انسانی تمدّن کی بنیاد ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اِس رشتہ کو اپنی قدرت کی نشانیوں میں شمار فرمایا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:﴿ وَ مِنۡ اٰیٰتِہٖۤ اَنۡ خَلَقَ لَکُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ اَزۡوَاجًا لِّتَسۡکُنُوۡۤا اِلَیۡہَا وَ جَعَلَ بَیۡنَکُمۡ مَّوَدَّۃً وَّ رَحۡمَۃً ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ ﴾ ترجمہ کنزالایمان: اور اُس کی نشانیوں سے ہے کہ تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے جوڑے بنائے کہ ان سے آرام پاؤ اور تمہارے آپس میں محبت اور رحمت رکھی۔ بے شک اِس میں نشانیاں ہیں دھیان کرنے والوں کے لیے۔ (سورۃ الروم، پارہ21، آیت 21)

اِس رشتے کی اہمیت کے پیشِ نظر قرآن وحدیث میں شوہر کے بیوی پر اور بیوی کے شوہر پر کئی حقوق بیان فرمائے گئے ہیں، جن کو پورا کرنا میاں بیوی میں سے ہر ایک کی شرعی ذمہ داری بنتی ہے۔ بیوی کے شوہر پر درج ذیل حقوق بیان کیے گئے ہیں:

(ا) نان ونفقہ: بیوی کے کھانے، پینے وغیرہ ضروریاتِ زندگی کا انتظام کرنا شوہر پر واجب ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿ وَعَلَی الۡمَوۡلُوۡدِ لَہٗ رِزۡقُہُنَّ وَ کِسۡوَتُہُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ﴾ ترجمہ کنزالایمان: اور جس کا بچہ ہے، اُس پر عورتوں کا کھانا اور پہننا (لباس) ہے حسبِ دستور۔ (سورۃ البقرۃ، پارہ2، آیت 233)

(۲) سُکنیٰ: بیوی کی رہائش کے لیے مکان کا انتظام کرنا بھی شوہر پر واجب ہے اور ذہن میں رکھیں کہ یہاں مکان سے مراد علیحدہ گھر دینا نہیں، بلکہ ایسا کمرہ، جس میں عورت خود مختار ہو کر زندگی گزار سکے، کسی کی مداخلت نہ ہو، ایسا کمرہ مہیّا کرنے سے بھی یہ واجب ادا ہو جائے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿اَسۡكِنُوۡهُنَّ مِنۡ حَيۡثُ سَكَنۡتُمۡ مِّنۡ وُّجۡدِكُمۡ وَلَا تُضَآرُّوۡهُنَّ لِتُضَيِّقُوۡا عَلَيۡهِنَّ﴾ ترجمہ کنز الایمان: عورتوں کو وہاں رکھو، جہاں خود رہتے ہو اپنی طاقت بھر اور اُنہیں ضرر نہ دو کہ اُن پر تنگی کرو۔

(سورۃ الطلاق، پارہ 28، آیت 6)

(۳) مہر ادا کرنا: بیوی کا مہر ادا کرنا بھی بیوی کا حق اور شوہر پر واجب ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحۡلَةً﴾ ترجمہ کنز الایمان: اور عورتوں کو اُن کے مہر خوشی سے دو۔ (سورۃ النساء، پارہ 4، آیت 4)

(۴) نیکی کی تلقین اور برائی سے ممانعت: شوہر پر بیوی کا یہ بھی حق ہے کہ اُسے نیکی کی تلقین کرتا رہے اور برائی سے منع کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو حکم ارشاد فرمایا ہے کہ خود اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچائیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا قُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ وَاَهۡلِيۡكُمۡ نَارًا﴾ ترجمہ کنز الایمان: اے ایمان والو! اپنی جانوں اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ۔ (سورۃ التحریم، پارہ 28، آیت 6)

(۵) حسنِ معاشرت: ہر معاملے میں بیوی سے اچھا سُلوک رکھنا بھی ضروری ہے کہ اِس سے محبت میں اضافہ ہو گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَعَاشِرُوۡهُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ﴾ ترجمہ کنز الایمان: اور اُن (بیویوں) سے اچھا برتاؤ کرو۔

(سورۃ النساء، پارہ 4، آیت 19)

امام اہلسنت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ شوہر پر بیوی کے حقوق بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: ''مرد پر عورت کا حق نان ونفقہ دینا، رہنے کو مکان دینا، مہر وقت پر ادا کرنا، اُس کے ساتھ بھلائی کا برتاؤ رکھنا، اُسے خلافِ شرع باتوں سے بچانا۔''

(فتاوی رضویہ، ج24، ص379، 380، رضا فاؤنڈیشن، لاهور)

البتہ عورت پر بھی ضروری ہے کہ شوہر کے حقوق ادا کرے اور اللہ و رسول (عزوجل و صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کے حقوق کے بعد بیوی پر سب سے بڑھ کر حتی کہ اپنے ماں باپ سے بھی بڑھ کر شوہر کا حق ہے۔

حضرت سیّدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بارگاہ رسالت میں عرض کی: ''ای الناس اعظم حقا علی المرأة؟'' ترجمہ: عورت پر جن لوگوں کے حقوق ہیں، اُن میں سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''زوجھا'' ترجمہ: اُس کے شوہر کا۔ (المستدرک علی الصحیحین، ج4، ص167، دار الکتب العلمیة، بیروت)

امام اہلسنت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ شوہر کے حقوق کے بارے میں فرماتے ہیں: ''اور عورت پر مرد کا حق خاص امورِ متعلقہ زوجیت (ازدواجی زندگی سے متعلق، جو بھی حقوق ہیں، اُن) میں اللہ و رسول (عزوجل و صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بعد

تمام حقوق حتی کہ ماں باپ کے حق سے زائد ہے۔ اِن امور میں اُس کے احکام کی اطاعت اور اُس کے ناموس کی نگہداشت عورت پر فرض اہم ہے۔" (فتاوی رضویہ، ج24، ص380، رضافاؤنڈیشن، لاھور)

اور شوہر پر ضروری نہیں کہ ہر بات بیوی کو بتائے کہ کہاں گئے تھے؟ کیوں گئے تھے؟ وغیرہ وغیرہ، کیونکہ مرد حاکم (افسر) ہے، نہ کہ محکوم (ملازم) کہ بیوی کے سامنے اپنے ہر کام کا جواب دہ ہو، لہٰذا اگر کسی حکمت کے پیشِ نظر یاویسے بھی اگر شوہر اِن باتوں کا جواب نہ دے، تو شرعا مجرم نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ﴾ ترجمہ کنزالایمان: مرد افسر ہیں عورتوں پر۔ (سورۃالنساء، پارہ5، آیت34)

لیکن یہ یاد رہے کہ باہم صلح صفائی اور تعاون سے رہنے میں عافیت ہوتی ہے، ورنہ بہت سی چیزوں میں بیوی بھی جواب دہ نہیں ہوتی۔ جب ان چیزوں کی باری آئے گی، تو پھر شوہر کی حالت دیکھنے والی ہوتی ہے، لہٰذا بیوی کو شک وشبہ میں ڈالنے سے بہتر ہے کہ مناسب انداز میں جواب دے اور بیوی کو چاہیے کہ بلاوجہ تھانیدار بننے کی کوشش نہ کرے۔

(2) جی نہیں! بلکہ جن لوگوں مثلاً ماں باپ، بہن بھائی وغیرہ کے جو جو حقوق شرعاً اِس پر لازم ہیں، شادی کے بعد بھی اُن حقوق کی ادائیگی ضروری ہوگی، کیونکہ اسلام میں ہر صاحبِ حق کے حق کو ادا کرنے کا حکم ہے۔

حضرتِ سیّدنا سلمان رضی اللہ عنہ نے حضرتِ سیّدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "ان لربک علیک حقا ولنفسک علیک حقا ولاھلک علیک حقا فاعط کل ذی حق حقہ" ترجمہ: بے شک تمہارے رب (تعالیٰ) کا تم پر حق ہے اور تمہاری جان کا تم پر حق ہے اور تمہارے اہل وعیال کا بھی تم پر حق ہے، تو ہر صاحبِ حق کا حق ادا کرو۔

جب اِس بات کی خبر نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "صدق سلمان" ترجمہ: سلمان (رضی اللہ عنہ) نے سچ کہا۔ (صحیح البخاری، ج1، ص264، مطبوعہ کراچی)

لیکن یہ بات واضح ہے کہ شادی کے بعد شوہر کو جتنا وقت بیوی کو دینا پڑتا ہے، وہ بقیہ افراد کے حصے سے کم ہو جاتا ہے، ایسی چیزوں پر ہرگز اعتراض اور طعن نہیں کرنا چاہیے۔ اصل میں معاملہ شوہر کی سمجھ داری پر ہے کہ سب کو ساتھ لے کر کیسے چلتا ہے۔

واللہ اعلم عزوجل **ورسولہ اعلم** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــــــــہ

ابو الصالح مفتی محمد قاسم قادری

05محرم الحرام1440ھ/16ستمبر2018ء

بیوی کے کہنے پر داڑھی چھوٹی کرنا یا منڈوا دینا کیسا؟

ریفرنس نمبر:Faj-5409 تاریخ:05-08-2019

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر کسی شخص کی ایک مٹھی داڑھی ہو اور اس کی بیوی اسے داڑھی خشخشی کروانے یا منڈوانے کا کہتی ہو، اور ساتھ یہ بھی کہتی ہو کہ میری نظر داڑھی منڈوں پر پڑتی ہے جو آنکھ کا زنا ہے اور اس کا وبال بھی آپ پر ہی ہو گا، تو کیا ایسی صورت میں اسے داڑھی خشخشی کروانے یا منڈوانے کی اجازت ملے گی؟ رہنمائی فرمادیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

حکمِ شرع کو سب پر مقدم رکھنا ضروری ہے اور مرد کے لیے حکمِ شرع یہی ہے کہ وہ پوری ایک مٹھی داڑھی رکھے، جبکہ بیوی کا داڑھی خشخشی کروانے یا منڈوانے کا کہنا شرعاً ناجائز و گناہ ہے اور جو حکم شرعاً ناجائز ہو، اس میں کسی کی بھی پیروی جائز نہیں، لہٰذا پوچھی گئی صورت میں شوہر کا بیوی کے کہنے پر داڑھی خشخشی کروانا یا بالکل ہی منڈوا دینا سخت ناجائز و حرام ہے۔

عورت کی یہ نفسیاتی کمزوری ہے کہ اس کو داڑھی والے مرد اچھے نہیں لگتے، ورنہ روایات میں موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عمامے اور داڑھی سے زینت بخشی ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ رضویہ میں ہے:"امام زیلعی تبیین الحقائق، علامہ اتقانی غایۃ البیان، علامہ طوری تکملہ بحر، سب علماء کتاب الجنایات اور امام حجۃ الاسلام محمد غزالی کیمیائے سعادت میں ذکر کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:"ان للہ ملائکۃ تسبیحھم سبحان من زین الرجال باللحی والنساء بالقرون والذوائب "یعنی اللہ عزوجل کے کچھ ملائکہ ایسے ہیں جن کی تسبیح یہ ہے کہ تمام پاکی اس ذات کے لئے ہے جس نے **مردوں کو داڑھیوں سے** اور عورتوں کو چوٹیوں سے **زینت بخشی** ہے۔ (فتاوی رضویہ، جلد22، صفحہ664-665، رضافاؤنڈیشن، لاھور)

اصل چیز یہ ہے کہ اپنے دل کا فتور دور کرنا ہی غیر کی طرف نظر اٹھنے کے خدشے کا حل ہے۔ شیطان جب داڑھی رکھنے والے پر حاوی نہیں ہو پایا، تو اس نے داڑھی منڈوانے کے مشن میں اب کسی اور کا سہارا لیا ہے، پس عورت پر لازم ہے کہ شریعت کے احکامات کے سامنے اپنا سر جھکا دے، اپنے دل کا فتور دور کرے۔ داڑھی میں تو بلا شبہ زینت ہے، خوبصورتی ہے۔ اگر عورت کو یہ چیز خوبصورت نہیں لگتی، تو اس کی اپنی نظر کا قصور ہے ۔ کسی جائز بات کو مثبت اور منفی دونوں طرح سے دیکھنے والے موجود ہوتے ہیں اور مثبت چیز کو بھی منفی کہنے والوں کی کمی نہیں ہوتی، لیکن اہل عقل یہی کہتے ہیں کہ منفی سوچ رکھنے والوں کو اپنی سوچ کا زاویہ بدلنے کی حاجت ہوتی ہے۔ یہی معاملہ اس خاتون کے ساتھ ہے، اگر یہ اپنے سامنے صرف اس چیز کو رکھ لے کہ ہم سب کے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے داڑھی رکھی اور آپ پوری مخلوق میں سب سے بڑھ کر حسین و جمیل ہیں اور داڑھی رکھنے کا آپ نے ہی حکم دیا اور آپ کے حکم پر عمل کرنے والے کبھی نقصان میں نہیں رہتے اور نہ ہی اطاعتِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کوئی غلطی کا کام ہے بلکہ فلاح کا راستہ ہے، یہ چیز سامنے رکھی جائے گی، تو امید ہے اس کی سوچ کا زاویہ تبدیل ہو گا اور منفی سوچ، مثبت سوچ میں تبدیل ہو جائے گی۔ اب تک جو شریعت کی مخالفت کی تلقین کی، اس پر سچی توبہ کے ذریعے اس غلطی کا بھی ازالہ کرنا ہو گا۔

شوہر پر لازم ہے کہ حکم شریعت کی ہی پیروی کرے کہ خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔ جیسا کہ صحیح بخاری شریف کی حدیثِ مبارک ہے: ”عن علی رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ و اٰلہ و سلم قال لا طاعۃ فی معصیۃ اللہ، انما الطاعۃ فی المعروف“ یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ عزوجل کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں، بلکہ مخلوق کی اطاعت تو فقط بھلائی کے کاموں میں ہی جائز ہے۔

(صحیح البخاری، جلد2، صفحہ 1077-1078، مطبوعہ کراچی، ملخصاً)

صدر الشریعہ بدر الطریقہ حضرتِ علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں: ”جس کو شرع مطہر نے ناجائز قرار دیا ہے، اس میں اطاعت نہیں کہ یہ حقِ شرع ہے اور کسی کی اطاعت میں احکامِ شرع کی نافرمانی نہیں کی جاسکتی کہ معصیت میں کسی کی طاعت نہیں ہے۔ حدیث میں ہے لا طاعۃ

للمخلوق فی معصیۃ الخالق "　　　(فتاویٰ امجدیہ، جلد4، صفحہ198، مکتبہ رضویہ کراچی)

مزید ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:"جو حکم شرعاًناجائز ہے اس میں کسی کی پیروی جائز نہیں، حکمِ شرع کو سب پر مقدم رکھنا ضروری ہے۔"　　　(فتاویٰ امجدیہ، جلد4، صفحہ222، مکتبہ رضویہ کراچی)

کوئی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى﴾ترجمہ کنزالایمان:"اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسری کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔"　　　(پارہ22، سورۃ الفاطر، آیت18)

اس آیتِ مبارکہ کے تحت تفسیرِ خزائن العرفان میں ہے:"معنیٰ یہ ہیں کہ روزِ قیامت ہر ایک جان پر اسی کے گناہوں کا بار ہوگا، جو اس نے کئے ہیں اور کوئی جان کسی دوسرے کے عوض نہ پکڑی جائے گی۔"

(تفسیرِ خزائن العرفان، صفحہ808، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ)

واللہ اعلم عزوجل **و رسولہ اعلم** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــہ

مفتی ابو محمد علی اصغر عطاری مدنی

03ذو الحجۃ الحرام1440ھ/05اگست2019ء

بیوی کا شوہر کی اجازت کے بغیر ہفتے بعد میکے جانا

مجیب: مولانا محمد کفیل رضا عطاری مدنی

فتوی نمبر: Web-1265

تاریخ اجراء: 05 جمادی الثانی 1445ھ / 19 دسمبر 2023ء

دار الافتاء اہلسنت

(دعوت اسلامی)

سوال

کیا بیوی شوہر کی اجازت کے بغیر ہفتہ میں ماں کے گھر جاسکتی ؟ اگر شوہر روکے تو کیا حکم ہو گا؟

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡجَوَابُ بِعَوۡنِ الۡمَلِکِ الۡوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الۡحَقِّ وَ الصَّوَابِ

بیوی آٹھویں دن اپنے ماں باپ کے یہاں صبح سے شام تک کے لئے شوہر کی اجازت کے بغیر بھی جاسکتی ہے رات وہاں نہیں گزار سکتی، اس کے لئے شوہر کی اجازت ضروری ہے البتہ پھر بھی بہتر یہی ہے کہ لڑائی جھگڑے کے بجائے آپس میں ایک دوسرے کی ضروریات سمجھیں اور ایک دوسرے کے ساتھ کمپر ومائز کریں شوہر کو چاہئے کہ اجازت دے دیا کرے اور عورت کو چاہئے کہ کبھی شوہر منع کرے تو اس کی بات بھی مان لی جائے۔

فتاوی رضویہ میں ہے: ”عورت آٹھویں دن اپنے ماں باپ کے یہاں صبح سے شام تک کے لئے بلا اجازت شوہر جاسکتی ہے اور اپنے محارم مثلاً حقیقی یا سوتیلے بہن، بھائی، بھتیجے، بھتیجی، بھانجے، بھانجی، چچا، ماموں، پھپی، خالہ، نانا، دادا کے یہاں ہر سال بھر بعد دن بھر کے لئے، رات کو بہر حال شوہر کے یہاں آنا ہو گا، یہ بلا اجازت ہے اور شوہر کی اجازت سے انہیں لوگوں کے یہاں مہینہ بھر اور زائد جتنے دنوں کی وہ اجازت دے رہ سکتی ہے۔“ (فتاوی رضویہ، جلد 13، صفحہ 478، رضا فاؤنڈیشن، لاهور)

وَاللّٰہُ اَعۡلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوۡلُہٗ اَعۡلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

بیوی کا علاج کروانا کس کی ذمہ داری ہے؟

مجیب: مولانا محمد سعید عطاری مدنی

فتوی نمبر: WAT-2545

تاریخ اجراء: 27 شعبان المعظم 1445ھ / 09 مارچ 2024ء

دارالافتاء اہلسنت

(دعوت اسلامی)

سوال

بیوی کا علاج کروانا شوہر پر لازم ہے یا نہیں؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

بیوی کا علاج کروانا اخلاقاً شوہر کی ذمہ داری ہے، لہٰذا شوہر کو خوش اسلوبی سے یہ ذمہ داری قبول کرنی چاہئے، ہاں شرعی اعتبار سے یہ شوہر پر لازم نہیں لیکن ایک خوشحال ازدواجی زندگی حسن معاشرت کی بنیاد پر قائم ہوتی ہے، اگر صرف فرائض کی ادائیگی پر اکتفا کیا جائے، تو ایک خوشحال ازدواجی زندگی قائم نہیں رہ سکتی، حسن معاشرت کے طور پر ایک دوسرے کی ضروریات کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے، بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو کہ شرعا بیوی پر بھی لازم نہیں ہوتیں لیکن شوہر کی ان ضروریات کو حسن معاشرت کے طور بیوی پورا کر رہی ہوتی ہے لہٰذا شوہر اور بیوی دونوں کو ہی ایک دوسرے کی ضروریات کا خیال رکھنا چاہئے اور اسے خوش دلی سے سرانجام دینا چاہئے۔

بہار شریعت میں ہے "عورت بیمار ہو تو اُس کی دوا کی قیمت اور طبیب کی فیس شوہر پر واجب نہیں۔" (بہار شریعت، ج02، حصہ 8، ص266، مکتبۃ المدینۃ، کراچی)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

بیوی کو ماں بہن بیٹی کہہ کر بلانا

مجیب: محمد سجاد عطاری مدنی زید مجدہ

فتوی نمبر: Web:06

تاریخ اجراء: 09ربیع الثانی 1442ھ/25نومبر2020ء

دارالافتاء اہلسنت

(دعوت اسلامی)

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی آدمی اپنی بیوی کو باجی، ماں یا بیٹی کہہ بیٹھے تو اس کے لیے کیا حکم ہے کیا اس سے نکاح ختم ہو جاتا ہے؟

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡجَوَابُ بِعَوۡنِ الۡمَلِکِ الۡوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الۡحَقِّ وَالصَّوَابِ

شوہر کا اپنی بیوی کو فقط ماں، بہن، بیٹی وغیرہ کہہ کر پکارنا یا یوں کہنا کہ تم میری ماں، بہن، باجی وغیرہ ہو، ناجائز و گناہ ہے جس سے توبہ کرنا اس پر لازم ہے البتہ اس سے نکاح پر کچھ اثر نہیں پڑتا اور نہ ہی ظہار وغیرہ لازم ہوتا ہے ہاں اگر اس طرح کے الفاظ کہے "تو میری بہن کی طرح ہے، تو میری بیٹی کی مانند ہے، تو میری ماں کی مثل ہے وغیرہ تو اس صورت میں ان کلمات سے جو نیت کرے گا اسی کا اعتبار ہو گا اگر اُس کے اِعزاز کے لیے کہا تو کچھ لازم نہیں، طلاق کی نیت ہے تو بائن طلاق واقع ہو گی، ظہار کی نیت ہے تو ظہار ہے اور تحریم (حرام کرنے) کی نیت ہے تو ایلا ہے اور اگر کچھ بھی نیت نہیں تھی ایسے ہی کہہ دیا تو اگرچہ ایسا کہنا جائز نہیں البتہ اس سے کچھ لازم نہیں ہو گا۔

اللہ تبارک و تعالی قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے: مَا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔیْ وَلَدْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ؕ" ترجمہ کنزالایمان: جورئیں (یعنی بیویاں) ان کی مائیں نہیں، ان کی مائیں تو وہی ہیں جن سے وہ پیدا ہیں اور وہ بے شک بُری اور نِری جھوٹ بات کہتے ہیں۔"

(پارہ28، المجادلہ، آیت:2)

سنن ابوداؤد شریف میں ہے:" ان رجلا قال لامرتہ ، یا اخیۃ ، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :اختک ھی ، فکرہ ذلک ونھی عنہ "یعنی ایک شخص نے اپنی بیوی کو اے میری بہن! کہہ کر پکارا تو رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا یہ تیری بہن ہے؟ اسے ناپسند فرمایا اور اس سے منع کیا۔ “(سنن ابوداؤد، کتاب الطلاق، جلد1، صفحہ319، حدیث:2210، مطبوعہ لاہور)

سیدی امام اہلسنت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فتاویٰ رضویہ شریف میں تحریر فرماتے ہیں:” زوجہ کو ماں بہن کہنا خواہ یوں کہ اسے ماں بہن کہہ کر پکارے، یا یوں کہے تو میری ماں میری بہن ہے سخت گناہ وناجائز ہے، مگر اس سے نہ نکاح میں کوئی خلل آئے نہ توبہ کے سوا کچھ اور لازم ہو۔۔۔۔۔۔ ہاں اگر یوں کہا ہو کہ تو مثل یا مانند یا بجائے ماں بہن کے ہے تو اگر بہ نیت طلاق کہا تو ایک طلاق بائن ہو گئی اور عورت نکاح سے نکل گئی اور بہ نیت ظہار یا تحریم کہا یعنی یہ مراد ہے کہ مثل ماں بہن کے مجھ پر حرام ہے تو ظہار ہو گیا اب جب تک کفارہ نہ دے لے عورت سے جماع کرنا یا شہوت کے ساتھ اس کا بوسہ لینا یا بنظر شہوت اس کے کسی بدن کو چھونا یا بنگاہِ شہوت اس کی شرمگاہ دیکھنا سب حرام ہو گیا، اور اس کا کفارہ یہ ہے کہ جماع سے پہلے ایک غلام آزاد کرے، اسکی طاقت نہ ہو تو لگاتار دو مہینہ کے روزے رکھے، اس کی بھی قوت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو صدقہ فطر کی طرح اناج یا کھانا دے۔ “(ملخص از فتاویٰ رضویہ جدید جلد13 صفحہ280 مطبوعہ رضا فاونڈیشن لاہور)

بہار شریعت میں ہے: عورت سے کہا تو مجھ پر میری ماں کی مثل ہے تو نیت دریافت کی جائے اگر اُس کے اِعزاز کے لیے کہا تو کچھ نہیں اور طلاق کی نیت ہے تو بائن طلاق واقع ہو گی اور ظہار کی نیت ہے تو ظہار ہے اور تحریم کی نیت ہے تو ایلا ہے اور کچھ نیت نہ ہو تو کچھ نہیں۔ (بہار شریعت، حصہ8، صفحہ207، مکتبہ المدینہ)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

بیوی کو وطن میں چھوڑ کر باہر ملک کمائی کے لیے جانا

مجیب: مولانا محمد سعید عطاری مدنی

فتوی نمبر: WAT-2082

تاریخ اجراء: 02ربیع الثانی1445ھ /18اکتوبر2023ء

دارالافتاء اہلسنت

(دعوت اسلامی)

سوال

بیوی کو چھوڑ کر باہر ملک پیسے کمانے جانا کیسا؟

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡجَوَابُ بِعَوۡنِ الۡمَلِکِ الۡوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الۡحَقِّ وَالصَّوَابِ

مذہب اسلام نے میاں بیوی کے باہم ایک دوسرے پر کچھ حقوق مقرر کئے ہیں جن کی ادائیگی ان پر فرض وواجب قرار دی، ان میں سے جس طرح بیوی کی خورد ونوش، لباس ورہائش کا انتظام وانصرام مرد کے ذمے لازم کیا وہیں صحبت (جماع) کو بھی واجب قرار دیا اگرچہ اس کی بابت کوئی تحدید و معین مدت مقرر نہ کی لیکن وقتا فوقتا صحبت کا حکم دیا حتی کہ عذر نہ ہونے کی صورت میں عورت کی رضا واذن کے بغیر چار ماہ سے زائد ترک جماع کو ناجائز قرار دیا تاکہ دونوں کی عصمت وپاکدامنی سلامت رہے اور نگاہ کسی ناجائز وحرام کی طرف نہ اٹھے اور ایسے مواقع جہاں مجبوراشوہر کو اپنے اہل وعیال اور گھر بار چھوڑ کر وطن سے باہر جانے کی حاجت پیش آتی ہے وہاں بیوی کے حقوق کے متعلق یہ رہنمائی موجود ہے کہ چار ماہ سے زائد گھر سے دور نہ رہے۔

لہٰذا پوچھی گئی صورت میں اولا تو ایسا کوئی انتظام ہونا چاہئے کہ چار ماہ کے اندر اندر اپنے گھر چکر لگانا ممکن ہو اور اگر اس سے زائد وقت لگے تو پھر بیوی کی اجازت شامل ہو اور بہتر تو یہ ہے کہ کسی ایسی جگہ نوکری اختیار کی جائے کہ گھر آنا جانا ممکن ہو ورنہ تو اس کے مفاسد بہت واضح ہیں۔

فتاوی ہندیہ میں ہے "یؤمر الزوج أن یراعیها فیؤنسها بصحبته أیاما وأحیانا من غیر أن یکون في ذلك شيء مؤقت" ترجمہ: شوہر کو حکم دیا جائے گا کہ وہ بیوی کی رعایت کرے اور کبھی کبھی اپنی صحبت سے اس کا دل بہلائے اس میں مقرر وقت کی کوئی قید نہیں ہے۔ (فتاوی ہندیہ، ج01، ص341، دار الفکر)

میاں بیوی کا ایک دوسرے کو بھائی، بہن کہنا کیسا؟

مجیب: مفتی ابو محمد علی اصغر عطاری مدنی

فتوی نمبر: Gul-2553

تاریخ اجراء:22ذوالحجۃ الحرام1443ھ /22جولائی2022ء

دارالافتاء اہلسنت

(دعوت اسلامی)

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ میاں بیوی ایک دوسرے کو ہنسی مذاق میں بھائی بہن کہہ دیں جیسے بعض اوقات شوہر کے منہ سے بہن نکل جائے یا بیوی کے منہ سے بھائی نکل جائے، تو کیا اس سے نکاح پر کوئی اثر پڑتا ہے؟ سنا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی زوجہ محترمہ کو بہن کہا تھا۔ اس کی کیا حقیقت ہے؟

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

شوہر کا اپنی بیوی کو ماں، بہن، بیٹی کہہ کر پکارنا یا یوں کہنا کہ تم میری ماں، بہن، باجی ہو، یا بیوی شوہر کو بھائی کہے، تو یہ سب صورتیں حرام ہیں، جن سے توبہ کرنا اس پر لازم ہے، البتہ اس سے نکاح پر کچھ اثر نہیں پڑتا اور جہاں تک حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی زوجہ محترمہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو اپنی بہن کہہ کر پکارا تھا، تو اس کے متعلق تفصیل یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایسا مجبوری کے تحت توریہ کے طور پر کیا تھا، کیونکہ آپ کو ایک ظالم بادشاہ نے پکڑ لیا تھا اور اس کا طریقہ یہ تھا کہ جس مسافر کی بیوی خوبصورت دیکھتا، اسے طلاق دلوا کر خود قبضہ کر لیتا تھا، اگر شوہر طلاق نہ دیتا، تو اسے قتل کر دیتا تھا، البتہ بھائی سے بہن کو نہیں چھینتا تھا، اس لیے آپ نے فرمایا تھا کہ یہ میری بہن ہیں اور مراد یہ لی تھی کہ دِینی شریک بہن ہیں۔

سنن ابو داؤد شریف میں ہے: ”ان رجلا قال لامرته، یا اخیة، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اختک ھی، فکرہ ذلک ونھی عنه“ یعنی ایک شخص نے اپنی بیوی کو اے میری بہن! کہہ کر پکارا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا یہ تیری بہن ہے؟ اسے ناپسند فرمایا اور اس سے منع کیا۔ (سنن ابو داؤد، کتاب الطلاق، جلد 1، صفحہ 319، حدیث 2210، مطبوعہ لاھور)

بیوی کو بہن کہنے کے بارے میں سیدی اعلیٰ حضرت، امام اہلسنت علیہ الرحمۃ فتاویٰ رضویہ شریف میں تحریر فرماتے ہیں: ”زوجہ کو ماں بہن کہنا خواہ یوں کہ اسے ماں بہن کہہ کر پکارے، یا یوں کہے، تو میری ماں، میری بہن ہے سخت گناہ و ناجائز ہے، مگر اس سے نہ نکاح میں خلل آئے، نہ توبہ کے سوا کچھ اور لازم ہو۔“ (ملخص از فتاویٰ رضویہ، جلد 13، صفحہ 280، مطبوعہ رضا فاونڈیشن، لاھور)

فتاویٰ امجدیہ میں ہے: ”یہ لفظ کہ وہ میری بہن ہے، کہنا مکروہ و بُرا ہے، مگر اس سے طلاق یا ظِہار نہیں ہوتا، کہ اس کے لیے تشبیہ کا لفظ ہونا ضروری ہے۔“ (فتاویٰ امجدیہ، جلد 2، صفحہ 284، مطبوعہ کراچی)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو بہن کہنے کے متعلق سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ”اپنی عورت کو ماں یا بہن کہنا کہ اس کا نام رکھنے سے نہ وہ حقیقۃً اس کی ماں بہن ہو جائے گی، نہ اس کی مقاربت میں اس پر اصلاً کوئی مواخذہ کہ اس کہنے سے وہ اس پر حرام نہ ہو گئی، ہاں صرف اتنی قباحت ہو گی کہ اس نے بے کسی ضرورت و مصلحت کے ایک جائز حلال شے کو حرام نام سے تعبیر کیا، کما قال اللہ تعالیٰ ﴿وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا﴾ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور بیشک وہ بری بات اور جھوٹ کہتے ہیں۔ **پھر اگر مصلحت ہو، تو یہ قباحت بھی نہ رہے گی ”کقول سیدنا ابراهیم علیه السلام لسیدتنا سارة رضی الله تعالی عنها انها اختی“ جیسا کہ سیدتنا حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا فرمانا کہ بیشک یہ میری بہن ہے۔“** (فتاویٰ رضویہ، جلد 17، صفحہ 313،312، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاھور)

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنی زوجہ حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بہن کہنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں: ”توریہ سے مراد یہ ہے کہ ذو معنی والا لفظ بول کر بعید معنی مراد لینا، ضرورت کے وقت توریہ بالکل جائز ہے۔ اس کا واقعہ یہ ہوا کہ حضرت خلیل اپنی بیوی حضرت سارہ کے ساتھ عراق سے شام کی طرف براستہ مصر ہجرت کر کے جا رہے تھے کہ مصر سے گزرے، وہاں کا قبطی بادشاہ صادق ابن صادون بڑا ظالم تھا، جس مسافر کی بیوی خوبصورت دیکھتا، اسے طلاق دلوا کر خود قبضہ کر لیتا تھا، وہاں یہ واقعہ پیش آیا، اس ظالم نے پہلے تو آپ کو بلایا تاکہ آپ سے طلاق حاصل کر کے حضرت سارہ پر قبضہ کرے، آپ نے فرمایا کہ یہ بی بی صاحبہ میری بہن ہیں، وہ بے دین بھائی سے بہن کو نہیں چھینتا تھا، بلکہ خاوند سے بیوی کو طلاق دلواتا تھا، اگر طلاق نہ دیتا، تو اسے قتل کر دیتا تھا، آپ بہ تعلیم الٰہی اس کا یہ اصول جانتے تھے۔ آپ سارہ کے پاس آئے ان سے فرمایا کہ یہ ظالم اگر

جان لے گا کہ تم میری بیوی ہو، تو یہ تمہارے متعلق مجھ پر غلبہ کر لے گا، اس طرح کہ مجھ سے تمہیں بذریعہ طلاق لے لے گا یا مجھے قتل کرا دے گا، اگر وہ تم سے پوچھے، تو اسے بتانا کہ تم میری بہن ہو، کیونکہ تم میری اسلامی بہن ہو، مردوں میں حضرت یوسف علیہ السلام بڑے حسین تھے اور عورتوں میں حضرت سارہ بڑی حسینہ تھیں، بلکہ حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن حضرت سارہ کی میراث تھا۔ حضرت سارہ ہاران کی بیٹی تھیں، ہاران اور آذر دونوں آپ کے چچا تھے، والد تارخ تھے، جو مؤمن تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ضرورۃً اپنی بیوی کو بہن کہنا جائز ہے، اس سے ظہار نہیں ہو جاتا۔" (مراٰۃ المناجیح، جلد 7، صفحہ 409 تا 411، مطبوعہ لاھور)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

ریفرنس نمبر: Gul 2435

تاریخ: 17-02-2022

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ کیا شریعت اسلامیہ کی روشنی میں شوہر اس بات کا پابند ہے کہ جو کچھ وہ خود کھائے، پیے یا پہنے، اسی طرح کا کھانا پینا اپنی بیوی کو بھی مہیا کرے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

شریعت کی طرف سے شوہر پر واجب کردہ اشیاء تین طرح کی ہیں: کھانے پینے کی اشیا، لباس اور رہنے کے لیے مکان۔ ان اشیاء کا معیار کیا ہو گا؟ اس کے لیے شوہر اور بیوی دونوں کی کیفیات کو پیش نظر رکھنا بہت ضروری ہے۔ اگر دونوں امیر کبیر ہوں، تو شوہر پر امیروں والی اشیاء لازم ہوں گی۔ اگر دونوں غریب ہوں، تو غریبوں والی اشیاء لازم ہوں گی اور اگر میاں بیوی میں سے ایک امیر ہو اور دوسرا غریب ہو، تو اب درمیانے درجے کی اشیاء لازم ہوں گی۔

مذکورہ اشیاء کے علاوہ دیگر ریفرشمنٹ (Refreshment) کی اشیاء اگرچہ شوہر خود کھاتا ہو، لیکن شرعی اعتبار سے شوہر پر لازم نہیں کہ وہ یہ اشیاء بیوی کو بھی دے، البتہ اخلاقی اور معاشرتی اعتبار سے شوہر کو چاہیے کہ وہ بیوی کو بھی کھانے پینے کی اضافی اشیاء دیتا رہے۔ دین اسلام اس بات کو بہت زیادہ پسند کرتا ہے۔

احادیث مبارکہ میں اس کی بہت زیادہ ترغیب دلائی گئی ہے کہ بیوی کے ساتھ حسن سلوک

کیا جائے، یہاں تک کہ ایک حدیث پاک میں فرمایا گیا کہ انسان جب اللہ کی رضا کے لیے کچھ بھی خرچ کرتا ہے، تو اس پر وہ اجر کا مستحق ہوتا ہے یہاں تک کہ بیوی کے منہ میں لقمہ رکھنے پر بھی وہ اجر و ثواب کا مستحق ہوگا۔ ایک اور حدیث پاک میں فرمایا گیا کہ اچھی نیت سے بیوی کے منہ میں کوئی چیز رکھنا بھی صدقہ ہے۔

نیز بیوی کے ساتھ حسن سلوک کرنے کے معاشرتی طور پر بھی بہت فوائد ہیں۔ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے لوگوں کو ایک تاریخ ساز خطبہ دیا۔ اس خطبے کی سنہری تعلیمات میں یہ بھی شامل ہے: "فاتقوا اللہ فی النساء فانکم اخذتموھن بامان اللہ" یعنی عورتوں کے معاملے میں اللہ عزوجل سے ڈرو کہ تم نے ان کو اللہ کی امان کے ساتھ لیا ہے۔

(الصحیح لمسلم، جلد2، صفحہ886، بیروت)

بیوی کے ساتھ حسن سلوک کرنے کے متعلق حدیث پاک ہے: "ومھما انفقت فھو لک صدقۃ حتی اللقمۃ ترفعھا فی امراتک" یعنی تم جو بھی خرچ کروگے وہ تمہارے لیے صدقہ ہے، یہاں تک کہ وہ لقمہ بھی جو تم اپنی زوجہ کے منہ میں رکھتے ہو۔

(الصحیح للبخاری، جلد7، صفحہ62، دار طوق النجاہ)

اس حدیث پاک کے تحت مرقاۃ المفاتیح میں ہے: "والمعنی أن المنفق لابتغاء رضاہ تعالی یؤجر" یعنی اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ عزوجل کی رضا کے لیے خرچ کرنے والا ثواب کا مستحق ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، جلد6، صفحہ230، تحت الحدیث3071، بیروت)

فتاوی تاتار خانیہ میں ہے: "والنفقۃ الواجبۃ: الماکول والملبوس والسکنیٰ" یعنی واجب نفقہ سے مراد، کھانے پینے کی اشیاء، پہننے کے کپڑے اور رہائش مہیا کرنا ہے۔

(فتاوی تاتارخانیہ، جلد5، صفحہ358، ھند)

بدائع الصنائع میں ہے: "اذا کان الزوج معسرا ینفق علیھا ادنی ما یکفیھا من الطعام والادام والدھن بالمعروف ومن الکسوۃ ادنی ما یکفیھا من الصیفیۃ والشتویۃ وان کان

متوسطا ينفق عليها اوسع من ذلك بالمعروف ومن الكسوة ارفع من ذلك بالمعروف وان كان غنيا ينفق عليها اوسع من ذلك كله بالمعروف ومن الكسوة ارفع من ذلك كله بالمعروف وانما كانت النفقة والكسوة بالمعروف لان دفع الضرر عن الزوجين واجب وذلك فى ايجاب الوسط من الكفاية "یعنی شوہر جب تنگدست ہو، تو وہ اپنی بیوی کو کھانے، پینے، تیل وغیرہ مہیا کرنے میں عرف کے مطابق کم درجے کی اتنی اشیاء دینے کا پابند ہے، جو عورت کے لیے کافی ہوں۔ اسی طرح لباس مہیا کرنے میں سردی اور گرمی کے کم درجے کے اتنے کپڑے دینے کا پابند ہے، جو عورت کے لیے کافی ہوں۔ اگر شوہر متوسط طبقے سے ہو، تو پہلی حالت سے اچھی نوعیت کے کھانے پینے کا سامان اور کپڑے مہیا کرے گا اور اگر شوہر مالدار ہو، تو دونوں قسموں سے بڑھ کر کھانے پینے کا سامان اور کپڑے مہیا کرے گا۔ نفقہ اور کپڑے دینے میں عمدہ انداز کا اعتبار میاں بیوی سے ضرر کو دور کرنے کے لیے ہے اور یہ تب ہی ہو گا جب درمیانی نوعیت کا نفقہ لازم ہو، جو بیوی کے لیے کافی ہو۔

(بدائع الصنائع، جلد4، صفحہ24، بیروت)

واجب نفقہ کی ادائیگی کے بعد اضافی اشیا مہیا کرنا شوہر پر لازم نہیں۔ جیسا کہ بدائع الصنائع میں ہے: "لا يجب عليه ان يطعمها ما يا كله ولا يطعمها ما كانت تا كل في بيت اهلها ايضا ولكن يطعمها خبز الحنطة ولحم الشاة **وكذلك الكسوة** على هذا الاعتبار "یعنی شوہر پر واجب نہیں کہ جو کچھ وہ خود کھائے، اس میں سے ہی بیوی کو بھی کھلائے اور نہ ہی یہ واجب ہے کہ عورت اپنے میکے میں جو کھاتی تھی، شوہر اب بھی اس کو وہی کھلائے، البتہ اسے گندم کی روٹی اور بکری کا گوشت وغیرہ کھلائے۔ اسی طرح کپڑوں کا بھی معاملہ ہے۔ (بدائع الصنائع، جلد4، صفحہ24، بیروت)

شوہر جب شرعی طور پر لازم اشیا بیوی کو فراہم کر دے، تو پھر اس پر لازم نہیں ہے کہ جو خود کھائے وہی اپنی بیوی کو کھلائے، البتہ مستحب ضرور ہے۔ جیسا کہ فتاوی ہندیہ میں ہے: "وقال مشائخنا رحمهم الله تعالى: والمستحب للزوج اذا كان موسرا مفرط اليسار والمراة فقيرة ان يا كل

معها ما یا کل بنفسه "یعنی ہمارے مشائخ فرماتے ہیں کہ شوہر جب خوشحال ہو اور بیوی تنگدست ہو، تو شوہر کے لیے مستحب ہے کہ بیوی کو وہی کھلائے جو خود کھاتا ہے۔ (فتاوی ھندیه، جلد1، صفحه548، مصر)

حُسن معاشرت کی وجہ سے شوہر کے لیے مستحب ہے کہ وہ واجب نفقہ دینے کے بعد بھی بیوی کو وہ اشیا کھلائے پلائے جو وہ خود کھاتا ہے، جیسا کہ مجمع الانہر میں ہے: "والمستحب ان یطعمها الزوج ما یا کله لانه مامور بحسن المعاشرة "یعنی شوہر کے لیے مستحب ہے کہ جو خود کھائے، وہی اپنی بیوی کو کھلائے، کیونکہ شوہر کو بیوی کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(مجمع الانهر، جلد2، صفحه176، بیروت)

فتاوی رضویہ میں ہے: "کھانا دو قسم ہے۔ ایک اصل نفقہ جو زوجہ کے لیے **زوج پر واجب ہے**، دوسرا اس سے زائد مثل فواکہ و پان و الائچی و عطایا و ہدایا۔"

(فتاوی رضویه، جلد12، صفحه277،276، رضافاؤنڈیشن، لاهور)

شرعی طور پر واجب اشیا مہیا کرنے کے علاوہ اشیاء بیوی کو دینا لازم نہیں۔ جیسا کہ بہار شریعت میں ہے: "بہتر یہ ہے کہ جیسا آپ کھاتا ہو عورت کو بھی کھلائے، **مگر یہ واجب نہیں۔**"

(بهارشریعت، جلد2، حصه8، صفحه265، مکتبة المدینه، کراچی)

واللہ اعلم عزوجل **و رسولہ اعلم** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــــــــــــہ

مفتی ابو محمد علی اصغر عطاری مدنی

15 رجب المرجب 1443ھ / 17 فروری 2022ء

غیر اللہ (والدین، بیوی، بچوں وغیرہ) کی قسم کھانے کا حکم

1

ریفرنس نمبر:Pin-6863 تاریخ 09-12-2021

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ آج کل کچھ لوگ کئی معاملات میں اس طرح کی قسم کھاتے ہیں کہ مجھے اپنے دودھ پیتے بچے کی قسم، اپنے فوت شدہ والدین کی قسم، بیوی کی قسم، شوہر کی قسم وغیرہ۔ اس طرح قسم کھانے کا حکم اور کفارہ کیا ہے؟ اگر یوں کہا جائے کہ یہ غیر اللہ کی قسم ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے، تو اس بارے میں میرے چند سوالات ہیں:

(1) قرآن پاک میں پارہ 30، سورہ الشمس کی ابتدائی آیات ﴿وَ الشَّمْسِ وَ ضُحٰىهَا وَ الْقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا وَ النَّهَارِ اِذَا جَلّٰىهَا وَ الَّیْلِ اِذَا یَغْشٰىهَا وَ السَّمَآءِ وَ مَا بَنٰىهَا وَ الْاَرْضِ وَ مَا طَحٰىهَا وَ نَفْسٍ وَّ مَا سَوّٰىهَا﴾ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے خود سورج، چاند، دن، رات، آسمان، زمین اور جان کی قسم ارشاد فرمائی ہے اور اس کے علاوہ بھی قرآنِ کریم میں مختلف مقامات پر مختلف چیزوں کی قسم کا ذکر موجود ہے۔ تو یہاں غیر خدا کی قسم کیسے جائز ہوئی؟

(2) اگر کوئی شخص اپنی بیوی کی طلاق کو کسی کام پر معلق کرتا ہے، مثلاً اسے یوں کہتا ہے کہ "اگر تو نے فلاں کام کیا، تو تجھے طلاق" تو اسے بھی قسم ہی سے تعبیر کیا جاتا ہے، یعنی یوں کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص نے طلاق کی قسم کھائی ہوئی ہے، حالانکہ طلاق کی قسم بھی غیر خدا ہی کی قسم ہے۔ اگر والدین اور اولاد وغیرہ کی قسم ناجائز ہے، تو پھر طلاق کی قسم کے بارے میں کیا جواب ہو گا؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

اللہ پاک کے نام اور صفات کے علاوہ کسی اور ذات مثلاً: والدین، اولاد، شوہر اور بیوی وغیرہ، یونہی کسی عبادت مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ، اسی طرح کسی مقام مثلاً: کعبۃ اللہ، حرم پاک، روضہ انور اور مسجد وغیرہ کی قسم کھانا، ناجائز اور گناہ ہے، کیونکہ یہ غیر خدا کی قسم ہے اور اس طرح غیر خدا کی قسم کھانے کی ممانعت کئی احادیث میں موجود ہے۔ اس کی حکمت علماء نے یہ بیان فرمائی ہے کہ "بندہ جب کسی چیز کی قسم کھاتا ہے، تو قسم محلوف بہ یعنی جس کی قسم کھائی جائے، اس کی تعظیم کا تقاضا کرتی ہے اور قسم جس اعلیٰ ترین تعظیم کا تقاضا کرتی ہے، اس کی حق دار ذات صرف اور صرف اللہ پاک کی ہے، اس کے مشابہ کوئی نہیں۔"

اس سے واضح ہوا کہ سوال میں ذکر کیے گئے الفاظ کے ذریعہ قسم کھانا، ناجائز و گناہ ہے اور اس سے بچنا لازم ہے۔ اب اس میں کوئی فرق نہیں کہ ان الفاظ کے ساتھ قسم گزشتہ کسی معاملہ پر کھائی جائے، مثلاً: یوں کہا جائے کہ **"مجھے اپنے دودھ پیتے بچے یا فوت شدہ والدین کی قسم کہ فلاں کام یوں ہوا ہے"** یا آئندہ کسی قسم کے کام کے کرنے یا نہ کرنے کی کھائی جائے، مثلاً: یوں کہا جائے کہ **"مجھے بیوی**

کی قسم یا شوہر کی قسم کہ **میں فلاں کام ضرور کروں گا یا نہیں کروں گا**" بہر صورت حکم ایک ہی ہے، یعنی ناجائز و گناہ ہے۔ البتہ کفارہ بہر صورت لازم نہیں ہو گا، کہ گزشتہ کسی کام کی قسم پر تو ویسے ہی کفارہ لازم نہیں ہوتا اور آئندہ کسی کام کو کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھا کر اسے توڑنے کی وجہ سے اگرچہ کفارہ لازم ہوتا ہے، لیکن یہاں اس طرح غیر خدا کی قسم کھالینے سے شرعاً قسم منعقد ہی نہیں ہوتی، لہذا اس کا خلاف کرنے کی صورت میں کفارہ بھی لازم نہیں ہو گا۔ البتہ مذکورہ دونوں صورتوں میں گناہ کا ارتکاب کرنے کی وجہ سے توبہ ضرور لازم ہو گی۔

نفسِ مسئلہ کا حکم واضح ہو جانے کے بعد اب اس پر وارد ہونے والے سوالات کے جوابات بالترتیب درج ذیل ہیں:

(1) قرآن کریم میں اللہ پاک نے اپنی مخلوقات میں سے مختلف چیزوں مثلاً: زمین، آسمان، دن، رات، سورج، چاند، شہر مکہ، طور پہاڑ، انجیر اور زیتون وغیرہ کی جو قسم ارشاد فرمائی ہے، تو علمائے کرام رحمہم اللہ السلام نے اس کے مختلف جوابات ارشاد فرمائے ہیں، ان میں سے دو درج ذیل ہیں:

(الف) مخلوقات میں سے بعض چیزوں کی قسم ارشاد فرمانا اللہ پاک کے ساتھ خاص ہے، اس نے اپنے بندوں پر بعض چیزوں کا شرف ظاہر کرنے کے لیے ان کی قسم ارشاد فرمائی ہے اور وہ خالق و مالکِ حقیقی ہے، سب کچھ اس کے قبضہ قدرت میں ہے، جو چاہے کرے، جسے چاہے عزت دے، جسے چاہے ذلت دے، سب اسی کے اختیار میں ہے، جبکہ ہمیں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح قسم کھانے سے واضح طور پر منع فرمادیا ہے، لہذا اس ممانعت کے بعد ہمارے پاس کوئی جواز باقی نہیں رہا کہ حکمِ قرآنی کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بھی حقیقت میں اللہ ہی کی اطاعت ہے۔

(ب) قرآنِ کریم میں جہاں بعض چیزوں کے ساتھ قسم کا ذکر کیا گیا ہے، تو وہاں بھی حقیقت میں ان چیزوں کی قسم نہیں، بلکہ رب تعالیٰ ہی کی قسم ہے اور وہ یوں کہ ان کے شروع میں لفظِ "رَبّ" محذوف ہے (یعنی لفظوں میں اگرچہ نہیں، لیکن حقیقت میں موجود ہے۔) مثلاً: ﴿وَالشَّمْسِ﴾ حقیقت میں یہاں ﴿وَرَبِّ الشَّمْسِ﴾ یعنی سورج کے رب کی قسم ہے۔ اور ﴿وَالْقَمَرِ﴾ حقیقت میں یہاں ﴿وَ رَبِّ الْقَمَرِ﴾ یعنی چاند کے رب کی قسم ہے۔ اور ﴿وَالنَّهَارِ﴾ حقیقت میں یہاں ﴿وَ رَبِّ النَّهَارِ﴾ یعنی دن کے رب کی قسم ہے۔ یونہی قرآنِ کریم کے دیگر مقامات مثلاً ﴿وَالطُّوْرِ﴾ تو حقیقت میں یہاں ﴿وَ رَبِّ الطُّوْرِ﴾ یعنی طور کے رب کی قسم ہے۔ اور ﴿وَ التِّیْنِ وَ الزَّیْتُوْنِ﴾ حقیقت میں ﴿وَرَبِّ التِّیْنِ وَرَبِّ الزَّیْتُوْنِ﴾ یعنی انجیر کے رب کی اور زیتون کے رب کی قسم ہے۔ لہذا اس اعتبار سے یہاں غیر خدا کی قسم کا والا اعتراض ہی وارد نہیں ہو گا۔

(2) اگر کوئی شخص اپنی بیوی کی طلاق کو کسی کام پر معلق کرتا ہے، مثلاً یوں کہتا ہے کہ "اگر میں نے فلاں کام کیا، تو میری بیوی کو طلاق ہے یا بیوی سے کہا: تو نے فلاں کام کیا، تو تجھے طلاق ہے" تو فقہاء کی اصطلاح میں اسے بھی قسم ہی کہا جاتا ہے، لیکن یاد رہے کہ یہ حقیقی قسم نہیں، یہی وجہ ہے کہ اس میں الفاظِ قسم کا کوئی تذکرہ نہیں ہوتا۔ فقہاء اسے قسم اس لیے شمار کرتے ہیں، کہ اس میں قسم والا معنی پایا جاتا ہے اور وہ کوئی کام کرنے کی قسم کھانے کی صورت میں، اسے کرنے پر ابھارنا اور کام نہ کرنے کی قسم کھانے کی صورت میں، اس سے رکنا ہے، یعنی جس طرح بندہ کسی کام پر حقیقی قسم (اللہ پاک کے نام و صفات کی قسم) کھانے کے بعد، قسم ٹوٹنے اور کفارہ لازم

ہونے کے خوف سے اسے پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے، یونہی بیوی کی طلاق کو کسی کام پر معلق کرنے کے بعد، طلاق واقع ہو جانے کے خوف سے اس کام کو پورا کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے، بلکہ فی زمانہ تو لوگ اللہ پاک کی قسم ٹوٹنے اور اس پر کفارہ لازم ہونے سے بھی زیادہ بیوی کو طلاق واقع ہو جانے سے ڈرتے ہیں، تو اس مناسبت کی وجہ سے فقہاء اسے بھی قسم سے تعبیر کرتے ہیں۔ نیز اس میں محلوف بہ (طلاق) کی تعظیم کا کوئی پہلو بھی نہیں، بلکہ فقط کسی کام کو کرنے پر ابھارنا یا اس سے رکنا مقصود ہوتا ہے۔ لہذا اس پر غیر خدا کی قسم کی ممانعت والا حکم بھی عائد نہیں ہو گا۔

غیر خدا کی قسم ناجائز ہونے کے جزئیات:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے والد کی قسم کھانے سے منع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ”ان اللہ ینھاکم ان تحلفوا بآبائکم، من کان حالفا فلیحلف باللہ او لیصمت“ ترجمہ: بے شک اللہ پاک تمہیں اپنے باپ کی قسم کھانے سے منع فرماتا ہے، جو شخص قسم کھائے، تو وہ اللہ کی قسم کھائے یا چُپ رہے۔

(الصحیح لبخاری، کتاب الایمان، باب لا تحلفوا بآبائکم، ج2، ص983، مطبوعہ کراچی)

اس ممانعت کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ اپنا عمل بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: ”فواللہ ما حلفت بھا منذ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی عنھا ذاکرا ولا آثرا“ ترجمہ: اللہ کی قسم! جب سے میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح قسم کھانے کی ممانعت سنی ہے، تب سے میں نے نہ اپنی طرف سے اور نہ ہی کسی دوسرے سے نقل کرتے ہوئے اس طرح کی قسم کھائی ہے۔ (الصحیح لبخاری، کتاب الایمان، باب لا تحلفوا بآبائکم، ج2، ص983، مطبوعہ کراچی)

اللہ پاک کے نام اور صفات کے علاوہ کسی اور ذات، عبادت یا مقام کی قسم کھانے کی ممانعت اور ایسی قسم کا حکم بیان کرتے ہوئے علامہ ابو بکر کاسانی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: ”اما الیمین بغیر اللہ ۔۔وھو الیمین بالآباء والابناء والانبیاء والملائکۃ صلوات اللہ علیھم والصوم والصلاۃ وسائر الشرائع والکعبۃ والحرم وزمزم والقبر والمنبر ونحو ذلک، ولا یجوز الحلف بشيء من ذلک لماذکرنا۔۔ولو حلف بذلک لا یعتد بہ ولا حکم لہ اصلا“ ترجمہ: بہر حال غیر اللہ کی قسم کھانا: اور وہ باپ، بیٹوں، انبیاء اور فرشتوں (علیہم الصلوٰۃ والسلام)، روزے، نماز اور دیگر دینی احکام، کعبہ، حرم، زمزم، قبر، منبر اور اس کی مثل دیگر اشیاء کی قسم کھانا ہے اور ان میں سے کسی بھی چیز کی قسم کھانا، جائز نہیں، اس وجہ سے جو ہم نے ذکر کر دیا اور اگر اس طرح کسی نے قسم کھا بھی لی، تو وہ قسم کھانے والا شمار نہیں ہو گا اور اس قسم کا اصلاً کوئی حکم (کفارہ) نہیں ہو گا۔

(بدائع الصنائع، ج3، ص21، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ)

غیر خدا کی قسم ناجائز ہونے کی حکمت بیان کرتے ہوئے علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: ”والحکمة في النھي عن الحلف بالآباء انه یقتضي تعظیم المحلوف به وحقیقة العظمة مختصة بالله جلت عظمته، فلا یضاھي به غیرہ، وھکذا حکم غیر الآباء من سائر الاشیاء“ ترجمہ: اور باپ کی قسم کھانے سے منع کرنے میں حکمت یہ ہے کہ بے شک قسم محلوف بہ (جس کی قسم کھائی جائے، اس) کی تعظیم کا تقاضا کرتی ہے اور حقیقی عظمت اللہ پاک کے ساتھ خاص ہے، جس کی شان بلند و بالا

ہے، پس کوئی اور اس کے مشابہ نہیں اور یہی حکم باپ کے علاوہ دیگر اشیاء کی قسم کھانے کا بھی ہے۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، ج23، ص175، مطبوعہ دار احیاء التراث، بیروت)

اسی حکمت کو بیان کرتے ہوئے علامہ ابو بکر کاسانی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: ”لان ھذا النوع من الحلف لتعظیم المحلوف وھذا النوع من التعظیم لا یستحقہ الا اللہ تعالی “ترجمہ: کیونکہ قسم کی یہ صورت محلوف (جس کی قسم کھائی جائے، اس) کی تعظیم کے لیے ہوتی ہے اور اس طرح کی تعظیم کی حق دار اللہ پاک ہی کی ذات ہے۔

(بدائع الصنائع، ج3، ص8، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ)

قرآنِ کریم میں بعض مخلوقات کی جو قسم ارشاد فرمائی گئی ہے، اس کے بارے میں علماء کے ارشادات:

پانچویں صدی کے مفسّر علامہ ابو الحسن علی بن فضّال رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: ”والنجم وما جری مجراہ من الاقسام التی اقسم اللہ بھا، فقیل: تفضیلاً لھا وتنویھاً بھا، وقیل: بل المقسم بہ محذوف، ورب النجم ورب الطور ورب التین والزیتون وما اشبہ ذلک“ترجمہ: (قرآنِ کریم میں) تارے کی قسم اور اس طرح کی دیگر قسمیں جو اللہ پاک نے ارشاد فرمائی ہیں، تو ان کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ یہ ان چیزوں کی فضیلت اور شرف ظاہر کرنے کے لیے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ یہاں مقسم بہ (جس کی قسم کھائی جارہی ہے، وہ) محذوف ہے، (حقیقت میں) تارے کے رب کی قسم، طور کے رب کی قسم، انجیر اور زیتون کے رب کی قسم ہے۔ اور جو ان کی مثل قسمیں ہیں (وہاں پر بھی ایسے ہی ہے۔)

(النکت فی القرآن الکریم، ص468، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: ”واما قسم اللہ تعالی بمخلوقاتہ نحو: والصافات، والطور، والسماء والطارق، والتین والزیتون، والعادیات، فللہ ان یقسم بما شاء من خلقہ تنبیھا علی شرفہ، او التقدیر: ورب الطور وقال ابو عمر: لا ینبغي لاحد ان یحلف بغیر اللہ لا بھذہ الاقسام ولا بغیرھا، لاجماع العلماء علی ان من وجب لہ یمین علی آخر في حق، فلہ ان یحلف لہ الا باللہ “ترجمہ: اور بہر حال اللہ پاک کا اپنی مخلوقات کی قسم ارشاد فرمانا، جیسا کہ (قرآنِ پاک میں ہے) ”ان کی قسم جو صف باندھے ہوئے ہیں، طور کی قسم، آسمان کی اور رات کو آنے والے کی قسم، انجیر کی قسم اور زیتون کی، ان گھوڑوں کی قسم جو ہانپتے ہوئے دوڑتے ہیں“ تو اللہ پاک کے پاس اختیار ہے کہ وہ اپنی مخلوق میں سے جس کی چاہے قسم ارشاد فرمائے اس کے شرف پر تنبیہ کرتے ہوئے۔ یا (لفظِ ربّ کو) مقدّر ماننے کے ساتھ (حقیقت میں) ”وربّ الطور“ طور کے رب کی قسم ہے۔ ابو عمر نے کہا کہ (مخلوق میں سے) کسی کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اس طرح اور اس کے علاوہ دیگر الفاظ کے ساتھ غیر اللہ کی قسم کھائے، کیونکہ علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس شخص کا کسی دوسرے کے لیے کسی حق کے معاملہ میں قسم کھانا ضروری ہو، تو وہ اللہ ہی کی قسم کھائے۔

(عمدۃ القاری، ج23، ص175، مطبوعہ دار احیاء التراث، بیروت)

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: ”واما اقسامہ تعالی بغیرہ، کالضحی والنجم واللیل، فقالوا: انہ مختص بہ تعالی، اذ لہ ان یعظم ما شاء ولیس لنا ذلک بعد نھینا “ترجمہ: بہر حال اللہ پاک کا اپنے علاوہ کی قسم ارشاد

فرمانا، جیسا کہ (قرآنِ پاک میں ہے)"چڑھتے دن کے وقت کی قسم، تارے کی قسم اور رات کی قسم"تو علماء نے فرمایا: یہ اللہ پاک کے ساتھ خاص ہے، کیونکہ اس کے پاس اختیار ہے، وہ جسے چاہے عزت بخشے اور ہمیں منع کر دینے کے بعد ہمارے پاس کوئی اختیار باقی نہیں۔ **(ردالمحتار، ج3، ص705، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)**

بیوی کی طلاق کو کسی کام پر معلق کیا جائے، تو اسے قسم کہنے کی تفصیل:

تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق مع حاشیہ شلبی میں ہے: بین القوسین ماخوذا من حاشیۃ الشلبی:"والیمین بغیر اللہ تعالی (نحو قولک ان دخلت الدار فانت طالق) ایضا مشروع وھو تعلیق الجزاء بالشرط وھو لیس بیمین وضعا وانما سمی یمینا عند الفقھاء، لحصول معنی الیمین باللہ وھو الحمل او المنع ۔۔والیمین بغیرہ مکروھۃ عند البعض، للنھی الوارد فیہ وعند عامتھم لا یکرہ، لانہ یحصل بھا الوثیقۃ لا سیما فی زماننا (ای فان احدا لا یصدق ولا یؤتمن علیہ فی الیمین باللہ تعالی، لقلۃ مبالاۃ ظھرت فی الناس، فتمس الحاجۃ الی الوثیقۃ بالطلاق وغیرہ وقد روی عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص انہ حلف بالطلاق عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم، فلم ینکر علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولو کان مکروھا، لانکر علیہ) وما روی من النھی محمول علی الحلف بغیر اللہ لا علی وجہ الوثیقۃ، کقولھم: بابیک ولعمرک ونحوہ" ترجمہ: اور غیر خدا کی قسم کھانا (مثلاً شوہر کا اپنی بیوی کو یوں کہنا کہ اگر تو گھر میں داخل ہوئی، تو تجھے طلاق ہے) بھی مشروع ہے اور وہ جزاء کو شرط کے ساتھ معلق کرنا ہے اور یہ وضعی (بنیادی) طور پر قسم نہیں، اسے فقہاء کے نزدیک قسم کا نام اس لیے دیا گیا ہے، کیونکہ اس سے بھی اللہ پاک کی قسم کھانے والا معنی حاصل ہو جاتا ہے اور وہ کسی کام کو کرنے پر ابھارنا یا اس سے رُکنا ہے اور بعض علماء کے نزدیک (اس طرح) غیر خدا کی قسم کھانا مکروہ ہے، کیونکہ اس معاملہ میں ممانعت وارد ہوئی ہے اور اکثر علماء کے نزدیک یہ مکروہ نہیں، کیونکہ اس کے ذریعہ اعتماد حاصل ہو جاتا ہے، بالخصوص ہمارے زمانے میں (کیونکہ لوگوں میں لاپرواہی ظاہر ہو جانے کی وجہ سے بعض اوقات اللہ پاک کی قسم کھانے کے باوجود کسی شخص کی بات نہیں مانی جاتی اور نہ ہی اس پر اعتماد کیا جاتا ہے، پس طلاق وغیرہ کے ذریعہ اعتماد حاصل کرنے کی حاجت پیش آتی ہے، اور حضرتِ عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالی عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس طلاق کی قسم کھائی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر انکار نہیں کیا، اگر یہ قسم بھی مکروہ ہوتی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر ضرور انکار فرماتے) اور جو ممانعت وارد ہوئی ہے، تو وہ اعتماد والی صورت سے ہٹ کر غیر خدا کی قسم کھانے پر محمول ہے، جیسا کہ اہلِ عرب کا قول ہے: تیرے باپ کی قسم، تیری عمر کی قسم وغیرہ۔

(تبیین الحقائق مع حاشیہ شلبی، ج3، ص107، مطبوعہ ملتان)

اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ مزید وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:"وحاصلہ: ان الیمین بغیرہ تعالی تارۃ یحصل بھا الوثیقۃ: ای اتثاق الخصم بصدق الحالف، کالتعلیق بالطلاق والعتاق مما لیس فیہ حرف القسم، وتارۃ لا یحصل مثل: وابیک ولعمری، فانہ لا یلزمہ بالحنث فیہ شیء، فلا تحصل بہ الوثیقۃ، بخلاف التعلیق المذکور والحدیث وھو قولہ صلی اللہ علیہ وسلم: من کان حالفا فلیحلف باللہ تعالی ۔۔الخ محمول عند الاکثرین علی غیر

التعلیق، فانه یکرہ اتفاقا، لما فیه من مشارکة المقسم به للہ تعالی فی التعظیم۔۔ وانما کانت الوثیقة فیه اکثر من الحلف باللہ تعالی فی زماننا، لقلة المبالاۃ بالحنث ولزوم الکفارۃ اما التعلیق فیمتنع الحالف فیه من الحنث خوفا من وقوع الطلاق والعتاق وفی المعراج: فلو حلف به لا علی وجه الوثیقة او علی الماضی یکرہ" ترجمہ: اور حاصلِ کلام یہ ہے کہ بعض اوقات غیر خدا کی قسم کے ذریعہ اعتماد حاصل ہوتا ہے، یعنی قسم کھانے والے کی سچائی کا مدِ مقابل کو یقین دلانا ہوتا ہے، جیسا کہ بیوی کی طلاق یا غلام کی آزادی کو (کسی کام پر) معلق کرنے کی صورت میں ہوتا ہے، ایسے الفاظ استعمال کر کے کہ جن میں حرفِ قسم نہ ہو اور بعض اوقات اعتماد حاصل نہیں ہوتا، جیسے (یوں کہا جائے کہ) تیرے باپ کی قسم اور میری عمر کی قسم، کہ ایسی صورت میں قسم ٹوٹنے کی وجہ سے کچھ بھی لازم نہیں ہوگا، پس اس سے اعتماد بھی حاصل نہیں ہوگا، بر خلاف طلاق کو معلق کرنے کی صورت میں۔ اور حدیثِ پاک (اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: جو قسم کھائے، تو وہ اللہ پاک ہی کی قسم کھائے) اکثر علماء کے نزدیک تعلیق (طلاق وغیرہ کو معلق کرنے) کے علاوہ پر محمول ہے کہ طلاق وغیرہ کو معلق کرنے کے علاوہ قسم کھانا بالاتفاق مکروہ ہے، کیونکہ اس صورت میں مُقسَم بہ (جس کی قسم کھائی جائے) کے تعظیم میں اللہ پاک کے شریک ہونے کا شبہ پایا جاتا ہے اور ہمارے زمانے میں اللہ پاک کی قسم کھانے سے بھی زیادہ طلاق کو معلق کرنے کی صورت میں اعتماد حاصل ہوتا ہے کہ اللہ پاک کی قسم کھانے کی صورت میں قسم ٹوٹنے اور اس پر کفارہ لازم ہونے میں لوگ لاپرواہی برتتے ہیں، بہر حال طلاق کو معلق کرنے کی صورت میں قسم کھانے والا قسم ٹوٹ جانے کے سبب طلاق واقع ہونے اور غلام آزاد ہو جانے کے خوف سے اس کام سے باز رہتا ہے۔ اور معراج الدرایہ میں ہے: اگر غیر خدا کی قسم اعتماد والی صورت سے ہٹ کر یا گزشتہ کسی معاملہ پر کھائی، تو یہ مکروہ ہے۔

(ردالمحتار، ج 3، ص 705، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

طلاق کو کسی کام پر معلق کرنے کی صورت میں محلوف بہ (طلاق) کی تعظیم کا کوئی پہلو نہیں ہوتا، اس کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: "واما التعلیق فلیس فیه تعظیم، بل فیه الحمل او المنع مع حصول الوثیقة، فلا یکرہ اتفاقا کما ھو ظاھر ما ذکرناہ" بہر حال طلاق وغیرہ کو معلق کرنا، تو اس میں تعظیم والا معاملہ نہیں، بلکہ اس میں اعتماد حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ فقط کسی کام پر ابھارنا یا اس سے رکنا ہوتا ہے، لہذا یہ بالاتفاق مکروہ نہیں، جیسا کہ ہماری ذکر کردہ تفصیل کا ظاہر یہی ہے۔ (ردالمحتار، ج 3، ص 705، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

واللہ اعلم عزوجل **ورسولہ اعلم** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــــــہ

مفتی محمد قاسم عطاری

04 جمادی الاولی 1443ھ 09 دسمبر 2021ء

اولاد نہ ہو تو بیوی کو وراثت میں حصہ ملے گا؟

مجیب: ابو محمد مفتی علی اصغر عطاری مدنی

فتوی نمبر: Nor-12998

تاریخ اجراء: یکم ربیع الاول 1445ھ / 18 ستمبر 2023ء

دارالافتاء اہلسنت

(دعوت اسلامی)

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کوئی شخص فوت ہو جائے اور اس کی کوئی اولاد نہ ہو، تو شوہر کی جائیداد میں بیوی کا حق ہو گا یا نہیں؟ اور اگر شوہر کے دیگر ورثا بیوہ کا حصہ نہ دیں، تو کیا حکم ہے؟

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡجَوَابُ بِعَوۡنِ الۡمَلِکِ الۡوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الۡحَقِّ وَالصَّوَابِ

پوچھی گئی صورت میں وراثت تقسیم کرنے سے پہلے لازم ہونے والے حقوق کی ادائیگی یعنی میت کی تجہیز و تکفین و تدفین کا خرچ، میت کے ذمہ اگر کوئی قرض تھا، تو اس کی ادائیگی اور اگر اس نے کوئی جائز وصیت کر رکھی تھی تو ایک تہائی ترکے کی حد تک وصیت نافذ کرنے کے بعد شوہر کی تمام جائیدادِ منقولہ و غیر منقولہ کا چوتھا حصہ (1/4) اس کی بیوہ کو دیا جائے گا۔ یہی خدائے احکم الحاکمین جل جلالہ کا فیصلہ ہے کہ جب مرنے والے شخص کی کوئی اولاد نہ ہو تو اس کی بیوہ کو کل جائیداد کا چوتھا حصہ ملتا ہے۔ اگر خاوند کے ورثا اس کی بیوہ کو پورا حصہ نہیں دیں گے تو سخت گناہ گار، حق العبد میں گرفتار اور مستحقِ عذابِ نار ہوں گے۔

بیوہ کا حصہ بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے: ”وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ“ ترجمہ کنزالایمان: اور تمہارے ترکہ میں عورتوں کا چوتھائی ہے اگر تمہارے اولاد نہ ہو، پھر اگر تمہارے اولاد ہو تو ان کا تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں جو وصیت تم کر جاؤ اور دَین نکال کر۔ (پارہ 4، سورۂ نساء، آیت 12)

مذکورہ آیتِ پاک کے تحت مفسرِ شہیر مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”یہ بیوی کی میراث کا ذکر ہے، بیوی ایک ہو یا زیادہ، خلوت ہو چکی یا نہ اور خاوند کی اولاد نہ اس بیوی سے ہو، نہ دوسری بیوی سے، بہر حال اس کی

میراث یہ ہے کہ اس کے خاوند کے متروکہ مال کا چہارم یعنی 1/4 ملے گا، باقی تین حصے دوسرے وارثوں کے ہوں گے“(تفسیرِ نعیمی، جلد4، صفحہ516، نعیمی کتب خانہ، گجرات)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

بیوی کی وفات کے بعد اس کے جہیز کا مالک شوہر ہو گا یا نہیں؟

مجیب: مولانا جمیل احمد غوری عطاری مدنی

فتوی نمبر: Web-990

تاریخ اجراء: 28ذوالحجۃ الحرام1444ھ /17جولائی2023ء

دار الافتاء اہلسنت

(دعوت اسلامی)

سوال

ایک شخص کی بیوی انتقال کر گئی اور اس کی کوئی اولاد بھی نہیں، آیا کہ اس عورت کا جہیز واپس عورت کے والدین کو پہنچایا جائے گا یا شوہر ہی پورے جہیز کا مالک ہو گا؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

عورت کے انتقال کے بعد جہیز سمیت اس کی ملکیت میں موجود تمام سامان اس کا ترکہ بنے گا اور اس میں شوہر سمیت دیگر تمام ورثاء اپنے اپنے شرعی حصوں کے مطابق حق دار ہوں گے، مکمل جہیز پر صرف شوہر کا حق نہیں ہے بلکہ مرحومہ عورت کے ہاں اولاد نہ ہونے کی صورت میں شوہر نصف ترکے میں حقدار ہو گا۔

امامِ اہلسنت شاہ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”جو کچھ زیور، کپڑا، برتن وغیرہ عورت کو جہیز میں ملا تھا ،اس کی مالک خاص عورت ہے۔“ (فتاوی رضویہ، جلد12، صفحہ256، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

امامِ اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں: ”جہیز ہمارے بلاد کے عرف عام شائع سے خاص ملک زوجہ ہوتا ہے، جس میں شوہر کا کچھ حق نہیں، طلاق ہوئی تو کل لے گئی، اور مر گئی تو اسی کے ورثاء پر تقسیم ہو گا۔ ردالمحتار میں ہے: کل احد یعلم ان الجھاز للمرأۃ وانہ اذا طلقھا تاخذہ کلہ واذا ماتت یورث عنھا یعنی ہر شخص جانتا ہے کہ جہیز عورت کی ملکیت ہوتا ہے، جب شوہر اس کو طلاق دے دے، تو وہ تمام جہیز لے لے گی اور جب عورت مر جائے، تو اس میں وراثت جاری ہو گی۔“ (فتاوی رضویہ، جلد12، صفحہ203، رضافاؤنڈیشن لاہور)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

شوہر بیوی کو خرچ کے پیسے نہ دے تو بیوی بغیر اجازت پیسے لے سکتی ہے؟

مجیب: مولانا محمد سجاد عطاری مدنی

فتوی نمبر: WAT-2502

تاریخ اجراء: 16 شعبان المعظم 1445ھ /27 فروری 2024ء

دارالافتاء اہلسنت

(دعوت اسلامی)

سوال

میرا سوال یہ ہے کہ اگر شوہر بیوی کو خرچ کے پیسے نہ دے تو شوہر کے پیسے جو بیوی کے پاس رکھے ہوئے ہیں، ان میں بیوی، بغیر اجازت شوہر خرچ کے پیسے لے سکتی ہے؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

اگر شوہر پورا خرچ نہیں دیتا یا اتنے پیسے دیتا ہے، جو بقدر کفایت نہیں (یعنی جن سے شوہر کے ذمہ لازم بیوی کی ضروریات پوری نہیں ہو سکتیں) تو ایسی صورت میں بیوی بغیر اجازتِ شوہر بقدر ضرورت پیسے لے سکتی ہے لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ بیوی کی نیت غلط نہ ہو، ضرورت سے زیادہ پیسہ نہ نکالے، فضول خرچی نہ کرے۔ لہذا اگر واقعی ضرورت کے لیے بیوی ایسا کرتی ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے یہ بیوی کا حق ہے۔

یہی سوال حضرت ہندہ زوجہ ابو سفیان رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "ان ابا سفیان شحیح لا یعطینی من النفقۃ ما یکفینی ویکفی بنی الا ما اخذت من مالہ بغیر علمہ فھل علی فی ذلک من جناح؟ فقال رسول للہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم خذی من مالہ بالمعروف وما یکفیک ویکفی بنیک" ترجمہ: انہوں نے کہا کہ ابو سفیان تنگ دل آدمی ہے مجھے اتنا خرچ نہیں دیتے جس سے میری ضروریات اور میرے بیٹے کی ضروریات پوری ہوں تو میں ان کے مال سے بغیر بتائے مال نکال لیتی ہوں تو کیا ایسا کرنے سے مجھ پر کوئی گناہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کے مال سے بھلائی کے ساتھ اتنا نکال لیا کرو جتنا تمہارے اور تمہارے بیٹے کے لیے کافی ہو۔ (صحیح مسلم، کتاب القضیۃ، باب: قضیۃ ھند، حدیث: 1714، ص 563، دار الحضارۃ)

اس حدیث کے تحت مرآۃ المناجیح میں مفتی احمد یار نعیمی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: ”تم کو اجازت ہے کہ بقدر ضرورت ابوسفیان سے بغیر پوچھے ان کا مال لے سکتی ہو۔۔۔(اس سے معلوم ہوا کہ) بیوی ضرورت پر اپنے خاوند کا مال فروخت کر سکتی ہے۔“ (مرآۃ المناجیح، ج05، ص174، حسن پبلشرز، لاہور، ملتقطاً)

نفقہ کے متعلق بہار شریعت میں ہے: ”اور اگر شوہر بقدرِ کفایت عورت کو نہیں دیتا تو بغیر اجازتِ شوہر عورت اُس کے مال سے لے کر صرف کر سکتی ہے۔“ (بہار شریعت، ج02، حصہ 08، ص267، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

شوہر کا بیوی کے مہر سے خریدی ہوئی چیز کھانا کیسا؟

مجیب: ابو محمد مفتی علی اصغر عطاری مدنی

فتوی نمبر: Nor-13184

تاریخ اجراء: 05 جمادی الثانی 1445ھ / 19 اکتوبر 2023ء

دار الافتاء اہلسنت
(دعوت اسلامی)

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بیوی نے اپنے مہر کے پیسوں سے کوئی چیز خریدی تو شوہر وہ چیز کھا سکتا ہے یا نہیں؟

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

اگر بیوی اپنی دلی خوشی سے مہر کی رقم سے کوئی چیز منگوا کر شوہر کو دے، تو شوہر کا اسے کھانا گناہ نہیں بلکہ جائز اور باعثِ برکت ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے: ”وَ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓــٴًـا مَّرِیْٓــٴًـا“ ترجمہ کنز الایمان: اور عورتوں کے ان کے مہر خوشی سے دو پھر اگر وہ اپنے دل کی خوشی سے مہر میں سے تمہیں کچھ دے دیں تو اسے کھاؤ رچتا پچتا۔ (پارہ 4، سورۂ نساء، آیت 4)

تفسیرِ بیضاوی و تفسیر ابی سعود میں ہے: ”روی ان ناسا کانوا یتاثمون ان یقبل احدھم من زوجته شیئا مما ساقه الیھا، فنزلت“ یعنی مروی ہے کہ کچھ لوگ اپنی بیوی کی طرف اس چیز کو قبول کرنے سے بچتے تھے جو بیوی نے منگوائی ہو، تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر ابی السعود، جلد 2، صفحہ 144، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

تفسیرات احمدیہ میں ہے: ”معناہ: فان وھبن ای الزوجات لکم یا ایھا الازواج بشیئ من المھر بطیبة انفسھن فخذوہ و کلوہ حال کونه ھنیئا لا اثم فیه، مریئا لا داء فیه“ یعنی اس آیت کا معنی یہ ہے کہ پھر اے شوہرو! اگر تمہاری بیویاں مہر سے کوئی چیز اپنی خوشی سے تمہیں دیں، تو اسے لو اس حال میں کہ وہ خوشگوار ہے، جس میں کوئی گناہ نہیں، نفع بخش ہے جس میں کوئی بیماری نہیں۔ (تفسیرات احمدیہ، صفحہ 152، مطبوعہ: قزان)

بدائع الصنائع میں ہے: ”أباح للأزواج التناول من مهور النساء إذا طابت أنفسهن بذلك، ولذا علق سبحانه وتعالى الإباحة بطيب أنفسهن “یعنی اللہ پاک نے شوہر کے لئے عورتوں کے مہر سے کھانا مباح قرار دیا بشرطیکہ وہ اس پر دل سے راضی ہوں اور اسی وجہ سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اباحت کو ان کی دلی خوشی پر معلق فرمایا۔

(بدائع الصنائع، جلد2، صفحہ290، مطبوعہ: بیروت)

تفسیر نعیمی میں ہے: ”عورت کے مہر کا پیسہ بہت مبارک ہے، اس میں شفا ہے“ (تفسیر نعیمی، جلد4، صفحہ469، نعیمی کتب خانہ، گجرات)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

میاں بیوی کا اکیلے میں رقص (Dance) کرنے کا حکم

مجیب: مولانا محمد کفیل رضا عطاری مدنی

فتوی نمبر: Web-1380

تاریخ اجراء: 07 رجب المرجب 1445ھ / 19 جنوری 2024ء

دار الافتاء اہلسنت

(دعوت اسلامی)

سوال

کیا میاں بیوی ایک دوسرے کے ساتھ تنہائی میں رقص (Dance) کر سکتے ہیں؟

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

میاں بیوی تنہائی میں بھی رقص (ڈانس۔Dance) نہیں کر سکتے کہ مروجہ ڈانس تنہائی میں ہو یا لوگوں کے جھرمٹ میں بہر صورت ناجائز و حرام ہے، اور قبر و آخرت کے فکر مند ہر مسلمان پر اس سے بچنا شرعاً لازم و ضروری ہے، نیز اگر اس کے ساتھ میوزک بھی ہو، تو حکم اور زیادہ سخت ہے، لہذا اس سے بہر حال بچا جائے۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے: "رقص اگر اس سے یہ متعارف ناچ مراد ہو تو مطلقاً ناجائز ہے زنانِ فواحش کا ناچ ہے اور متصوفہ زمانہ سے بھی بعید نہیں بلکہ معہود و معلوم و مشہور ہے، جب تو بنصوص قطعیہ قرآنیہ حرام ہے وقد تلوناھا فی فتاوٰنا۔ اب اُسے مستحب و قربت جاننا در کنار مباح ہی سمجھنے پر صراحۃً کفر کا الزام ہے۔" (فتاوی رضویہ، جلد:24، صفحہ:152، رضا فاؤنڈیشن، لاھور)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم